مولانا سید احمد عروج قادریؒ مرحوم

(ایک شناسا کے تاثرات)

سید معین الدین احمد قادری

(دوسری و آخری قسط)

ملفوظات کے ایک متوسط تعارف اور ان چیزوں کے نقل کرنے کے بعد جو عقل و نقل کے موافق ہیں۔ دوسرے رخ پر بھی تبصرہ ملاحظہ ہو:

صلوٰۃِ معکوس

ملفوظات میں حضرت شیخ کی جانب سے شیخ ابوالخیرؒ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کے بارے میں جو چیزیں مجھ تک پہنچیں ان سب پر میں نے عمل کیا۔ یہاں تک کہ میں نے معلوم کیا کہ حضرت رسالتؐ نے کسی وقت نمازِ معکوس بھی پڑھی ہے۔ اس کے بعد میں نے پاؤں میں رسی باندھی اور ایک کنوئیں میں اپنے آپ کو الٹا لٹکایا اور اسی ہیئت میں نماز پڑھی"۔

یہ حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ نے مرتب ملفوظات کی طرف رخ کر کے فرمایا "اگرچہ اللہ کا فیض نازل ہو رہا ہے لیکن خود جدوجہد کرنی چاہیے۔"

تبصرہ: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نمازِ معکوس کا انتساب قطعاً غلط ہے۔ اس قسم کی ریاضت غیر قوموں سے تصوف میں داخل ہوئی اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے حدیث گھڑ لی گئی۔ بہت افسوس ہے کہ **واضعینِ** حدیث نے نماز تک کو نہیں بخشا"۔

کاربراری کے لیے قبر پر حاضری

ایک بڑے بزرگ شیخ نظام الدین ابوالموید کے بارے میں شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا

(فارسی عبارت کا ترجمہ) کہ "وہ بار بار کہا کرتے کہ میری وفات کے بعد جس کو کوئی مہم درپیش ہو تو اس سے کہو کہ تین دن میری زیارت کو آئے۔ اگر تین دن گزر جانے کے بعد بھی وہ کام پورا نہ ہو تو چار دن آئے اور اب بھی کام نہ نکلے تو پانچویں دن میری قبر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے"۔

تبصرہ: "بزرگوں کے اسی قسم کے دعوے ہیں جنہوں نے مسلمان عوام کی نظروں میں بزرگوں کی قبروں کو مسجدوں سے زیادہ اہم بنا دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون"

احادیث

حدیث میں آیا ہے کہ: "ایک جماعت وہ ہوگی جس کو زنجیر سے باندھ کر جنت میں لے جائیں گے" (۱۵۲)۔ "حسب معمول کوئی حوالہ نہیں"۔

فوائد الفوائد ہی میں دوسری جگہ: "حضرت معروف کرخی کو قیامت میں جب اللہ فرمائے گا کہ جنت میں جاؤ تو کہیں گے کہ میں نے آپ کی عبادت جنت میں جانے کے لیے نہیں کی تھی۔ وہ جب اپنے انکار پر اصرار کریں گے تو فرشتوں کو حکم ہوگا کہ ان کو نور کی زنجیر میں باندھ کر جنت میں داخل کریں"۔ (۱۸۵)

تبصرہ: "بات یہ ہے کہ پہلے اخلاص وللّٰہیت کا یہ تصور قائم کیا گیا ہے کہ جو طاعت کی جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہونی چاہیے' اگر عبادت و طاعت دوزخ کے عذاب سے بچنے اور جنت میں داخل ہونے کے لیے کی جائے تو حقیقی معنی میں وہ مخلصانہ نہیں ہوگی۔ یہ اخلاص کا ادنیٰ درجہ ہوگا۔ اسی تصور کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اوپر والی حدیث وضع کی گئی۔ پھر یہ واقعہ گھڑ لیا گیا۔"

صوفیہ کے یہاں خرقہ دینے کا قاعدہ

"مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شبِ معراج میں خرقہ ملا تھا' اس خرقہ کو خرقۂ فقر کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپؐ نے صحابہؓ کو طلب کیا اور فرمایا کہ مجھے خرقہ ملا ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں وہ خرقہ کسی ایک شخص کو دوں۔ میں اپنے ساتھیوں سے ایک سوال کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ جو شخص سوال کا وہ جواب دے جسے میں جانتا ہوں' یہ خرقہ اسی کو دوں اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ جواب کون شخص دے گا۔ اس کے بعد آپؐ نے ابوبکرؓ کی طرف چہرہ کر کے پوچھا: اگر میں تم کو یہ خرقہ دوں تو تم کیا کرو گے؟

ابوبکرؓ: میں سچائی برتوں گا' اطاعت کروں گا اور سخاوت کروں گا۔

یہی سوال آپؐ نے عمر بن الخطابؓ سے کیا۔
عمر بن الخطابؓ : میں انصاف کروں گا اور انصاف کا لحاظ رکھوں گا۔
یہی سوال عثمان غنیؓ سے کیا گیا تو ان کا جواب تھا۔
عثمان بن عفانؓ : میں انفاق کروں گا اور سخاوت برتوں گا۔
یہی سوال کیے جانے پر حضرت علیؓ نے جواب دیا۔
علی کرم اللہ وجہہ : میں پردہ پوشی کروں گا اور بندگان خدا کے عیب کو چھپاؤں گا۔
آپؐ نے فرمایا : "میں نے خرقہ تم کو دیدیا کیونکہ مجھے حکم ہوا تھا کہ جو شخص یہ جواب دے۔ میں یہ خرقہ اسی کو دوں"۔ (۱۹۶)

تبصرہ : "یہ حکایت کسی شیعہ نے گھڑی ہے یا کسی سادہ لوح صوفی نے۔ اسی قسم کی جعلی حکایتوں نے بہت سے اہلِ علم کو مطلق تصوف کے انکار پر آمادہ کیا ہے۔ وضع کرنے والا تو مجرم ہے ہی لیکن جب خرقہ کے ثبوت میں حضرت نظام الدین اولیاء جیسے اہلِ تصوف بزرگانِ دین بھی اس کو بیان کریں تو آخر آدمی کیا سمجھے۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ مروجہ تصوف اسی طرح کی حکایتوں پر مبنی ہے تو کیا غلط سمجھتا ہے ؟"۔

بزرگوں کے سامنے سجدۂ تعظیمی

"اس پر بات چلی کہ مریدان' مخدوم کی خدمت میں آتے ہیں اور اپنا سر زمین پر رکھتے ہیں۔ خواجہ ذکرہ بالخیر نے فرمایا' میں چاہتا تھا کہ مخلوق کو اس سے منع کروں لیکن چونکہ میرے شیخ کے سامنے ایسا کیا گیا ہے اس لیے میں نے منع نہیں کیا"۔ (۲۱۵)

تبصرہ : "یہاں اپنے شیخ کے اسوہ کو بطور عذر پیش کیا ہے لیکن فوائد الفواد ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اس کو مباح سمجھتے تھے۔ (ص ۱۵۹)

اب اگر بزرگوں کے "عقیدت مند" عوام' بزرگوں یا ان کی قبروں کے سامنے سجدے کرتے ہیں تو قصور کس کا ہے ؟

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ آپؐ کو یہ بھی پسند نہ تھا کہ جب آپؐ تشریف لائیں تو صحابہؓ آپؐ کے احترام میں کھڑے ہو جائیں' لیکن آپؐ کے اتباع کا دعویٰ کرنے والے اور اپنے تصوف کو مقید بہ کتاب و سنت قرار دینے والے بزرگوں نے اپنے سامنے سجدے کو بھی مباح سمجھ رکھا تھا۔ اس فعل کی خواہ کتنی تاویل کی جائے یہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ہی رہے گا۔

جو چیزیں پیش کی گئی ہیں' نمونے ہی کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ اس طرح کی تمام چیزوں کا

احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔

مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ تصوف کی کتابوں میں اس طرح کی غلط چیزیں بھی بھری پڑی ہیں اور افسوس یہ ہے کہ ان غلط چیزوں کو اولیاء کی عقیدت میں صحیح سمجھا جاتا ہے۔ مسلم معاشرے میں جو بدعات پھیلی ہوئی ہیں ان کا بڑا ماخذ یہی کتابیں ہیں۔"

۳۔ مکتوباتِ امام ربانی

تعارف: پہلی دو تصانیف کی مانند ابتداء میں مکتوبات کا بھی مختصر تعارف' اس کے ہر سہ حصص کے مندرجات کی ایجاز و اختصار کے ساتھ نشاندہی اور مختلف عنوانات کے تحت تبصرہ:

"حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ' جن کے القاب میں مجدد الف ثانی اور امام ربانی بہت مشہور ہیں' نے جو مکتوبات لکھے تھے ان کو تین دفاتر یا تین جلدوں میں مرتب کیا گیا ہے۔ میرے سامنے اس کا وہ نسخہ ہے جو مطبع نامی منشی نول کشور واقع کانپور میں چھپا تھا۔ پہلے دفتر میں ۳۱۳ دوسرے میں ۹۹ اور تیسرے میں ۱۲۲ مکتوبات ہیں۔ تمام مکتوبات ۵۳۴ ہے"۔

"ان مکتوبات میں جو مضامین ہیں انہیں تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک حصہ سنتِ نبوی کے اتباع کی ترغیب' تلقین اور تاکید پر مشتمل ہے۔ اسی حصے میں یہ بات کئی دفعہ کہی گئی ہے کہ طریقت شریعت کی تابع ہے اور حقیقت یا تصوف شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے۔ دوسرے حصے میں امرائے حکومت کو دین داری اور دین کی ترویج پر ابھارا گیا ہے اور تیسرا حصہ فلسفیانہ تصوف کے لیے مخصوص ہے"۔

مضامین کے اعتبار سے یہ تقسیم مولاناؒ کی ہے۔ ہر سہ دفاتر مضامین کے اعتبار سے مرتب و منقسم نہیں ہیں۔ تینوں حصے مکتوبات کے تینوں دفاتر میں مشترک اور مخلوط ہیں ۔ مزید یہ کہ پہلے اور دوسرے حصے ــــ سنتِ نبوی کے اتباع کی ترغیب' تلقین اور تاکید' امرائے حکومت کو دینداری اور دین کی ترویج کی نصیحت ــــ کی مقدار تیسرے حصۂ مضامین کے مقابلے میں کم ہے۔ "مکتوبات کا بڑا حصہ فلسفیانہ تصوف ہی پر مشتمل ہے"۔ ظاہر ہے مضامین کے تناسب کی اس نوعیت کو فلسفیانہ تصوف کے حق میں جانا چاہیے۔

اتباعِ سنت کی تلقین کے باوجود مکتوبات میں چند نمایاں چیزیں ایسی ہیں جن کا اتباعِ سنت سے کوئی ربط معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا عروج قادری مرحوم نے پیش نظر تصنیف میں ان کی نشاندہی کی ہے۔ ایک ذکرِ لسانی ہے' دوسرے تشہد میں اشارے کی بحث اور تیسرے عارف کے دائرہ شریعت

سے نکل جانے کا متصوفانہ نکتہ' مولانا نے کتاب و سنت کے حوالے سے مکتوبات میں اختیار کردہ موقف کی تردید کی ہے اور حق گوئی اور علمی ثقاہت کی اپنی ہر دو امتیازی صفات کا حق ادا کرنے میں تامل یا کوتاہی کو دخل پانے نہیں دیا ہے۔ ایجاز و اختصار کے ساتھ ہر سہ موضوعات پر مولانا کے اشارات اور تردیدی تبصرے درج ذیل ہیں۔

مولانا تحریر کرتے ہیں: "اس حقیر کے مطالعہ مکتوبات کے درمیان چند نمایاں چیزیں ایسی بھی آئی ہیں جن کا اتباعِ سنت سے کوئی ربط نہیں ہو سکا میں انھیں چیزوں کو پیش کرنا چاہتا ہوں اور مقصد یہ ہے کہ مکتوبات کی یہ چیزیں بھی اہلِ علم کے سامنے آجائیں کیونکہ بزرگانِ دین کے سوانح نگار عام طور سے تصویر کا صرف ایک رخ سامنے لانے کے عادی ہیں۔" اس تمہید کے بعد مولانا نے مختلف عنوانات کے تحت مکتوبات کے مندرجات کا ذکر کرتے ہوئے ان پر تبصرہ کیا ہے۔

سنت کو بدعت قرار دینا

"سب سے پہلے جس سے ذہن کو جھٹکا لگا' یہ ہے کہ شیخ سرہندی نے ذکرِ جہر کو بدعت منکر قرار دیا ہے"۔ بعد ازاں مکتوبات (۲۳۱ ج ۱ ص ۲۳۶) سے فارسی عبارت کا ترجمہ تحریر کرنے کے بعد تبصرہ کیا ہے۔ عبارت یہ ہے "آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل دو قسم کا ہے۔ بر سبیلِ عبادت ہے یا بطریقِ عرف و عادت' ــــــ جو عمل بر سبیلِ عبادت ہے اس کے خلاف کو میں بدعتِ منکر جانتا ہوں اور اس سے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ یہ دین میں نئی بات پیدا کرتا ہے اور یہ مردود ہے" ۔ یہ بات شیخ سرہندی نے ایک معتمدِ خاص کے یہ دریافت کرنے پر کہی تھی کہ "آپ ذکرِ جہر کو بدعت قرار دے کر اس سے منع کرتے ہیں حالانکہ اس سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے تو پھر ان چیزوں سے کیوں منع نہیں فرماتے جو آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھیں' لباسِ خرجی' شال' سراویل"۔

تبصرہ و تنقید: "اگر جہر سے مراد چیخنا چلانا ہو اور جہرِ مفرط کے ساتھ ذکر اللہ کو منع کیا جائے تو بات ٹھیک ہے کیونکہ جہرِ مفرط کے ساتھ ذکر کی ممانعت قرآن میں بھی ہے اور احادیث میں بھی ــــــ لیکن نقشبندیہ سلسلے میں ذکرِ جہر سے مراد ذکرِ لسانی ہے۔ اس سلسلۂ تصوف میں ذکرِ قلبی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے اکابر سلسلہ کی تقلید میں شیخ سرہندیؒ نے ذکرِ لسانی کو بدعتِ منکر قرار دیا ہے ــــــ جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہو اور نقشبندیہ سلسلے کو چھوڑ کر دوسرے سلاسلِ تصوف میں بھی رائج ہو اس کو بدعتِ منکر قرار دینا قرآن و حدیث کے خلاف ایک جسارت ہے یا نہیں؟

نماز جو افضل العبادات اور ذکر و شکر کا سب سے بڑا مظہر ہے اور ذکر اللہ ہی کے لیے اس کی اقامت کا حکم دیا گیا ہے' اس کو دیکھیے تو پانچ وقت کی نمازوں میں تین وقت کی نمازیں جہری ہیں اور دو وقت کی سری ---- جہر کی کم سے کم حد یہ ہے کہ قرات کی آواز بغل کے لوگ سن لیں اور سری کے معنی یہ ہیں کہ پڑھنے والا زبان سے اس طرح قرات کرے کہ وہ خود اپنے آپ کو سنا رہا ہے"۔

قرآن و احادیث میں ذکرِ لسانی کا حکم

سری کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قراتِ قرآن اور دوسرے اذکار و تسبیحات' زبان ہلائے بغیر محض دل میں پڑھے جا رہے ہوں' اگر کوئی شخص ایسا کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ معلوم ہوا کہ نماز شروع سے لے کر آخر تک ذکرِ لسانی پر مشتمل ہے۔ حج کو دیکھیے تو اس کے تمام اذکار زبان سے ادا کرنا ضروری ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص احرام کے وقت لبیک صرف اپنے دل میں پڑھ لے تو اس کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ خود قرآن کو بہت سی آیتوں میں ذکر کہا گیا ہے۔ اس کی تلاوت و قرات زبان سے ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص دل ہی دل میں قرآن پڑھ لے تو اس پر تلاوت کا اطلاق نہ ہوگا ---- قرآن و احادیثِ صحیحہ کے نصوص ذکرِ لسانی کے حکم اور اس کی ترغیب میں اتنی کثرت سے ہیں کہ انہیں یہاں پیش کرنا لا حاصل ہے ---- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے اذکار کی تعلیم دی ہے اور محدثین نے انہیں کتاب الاذکار میں جمع کر دیا ہے۔ وہ سب ذکرِ لسانی ہیں۔ بلاشبہ قلبِ غافل کے ساتھ محض ذکرِ لسانی پر ذکر اللہ کے روحانی فوائد مترتب نہیں ہوتے' اس لیے زبان سے ذکرِ الٰہی کے جو کلمات ادا ہوں' قلب میں ان کا شعور و استحضار ہونا چاہیے' لیکن ذکرِ لسانی کو بدعت قرار دینا شریعتِ اسلامی کے مقابلے میں ایک دوسری شریعت پیش کر دینے کے مترادف ہے"۔

"مکتوبات میں کوئی ضعیف حدیث بھی اس بات کے ثبوت میں نہیں پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے مطلقاً ذکرِ جہر یا ذکرِ لسانی سے اجتناب فرمایا ہے۔ خواجہ نقشبند نے ذکرِ جہر یا ذکرِ لسانی کو بدعت قرار دیا تھا۔ بس اسی دلیل کو کافی قرار دے لیا گیا۔ اس روش کے ساتھ اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید مضحکہ انگیز بن جاتی ہے۔ ذکر لسانی سے بعد مبالغہ آمیز انتہا پسندی کی صورت اختیار کر گیا تھا حتیٰ کہ کھانے کی ابتداء میں کسی شخص کا باآواز بلند بسم اللہ پڑھنا ایک گناہ بن گیا تھا۔ ایک مکتوب میں شیخ سرہندیؒ نے لکھا:

"میں حضرت ایشاں (غالباً حضرت باقی باللہؒ) کی خدمت میں حاضر تھا۔ ان کے ایک مخلص مرید

شیخ کمال نے کھانا شروع کرنے سے پہلے بآواز بلند بسم اللہ کہی۔ یہ بات انہیں ناگوار ہوئی۔ شیخ کمال کو ڈانٹا یہاں تک کہ یہ فرمایا کہ وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک نہ ہوا کریں"۔ (مکتوب ۲۶۶ ج ا)

مولانا عروج قادری مرحوم نے "صرف ایک حدیث" کے زیر عنوان یہ حدیث حوالے کے ساتھ نقل کی "ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ابوابِ خیر کثیر ہیں اور میں سب کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیں کہ میں اسے مضبوطی سے تھام لوں اور وہ مختصر ہو تاکہ میں نہ بھولوں۔ اس درخواست کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لایزال لسانک رطبا بذکر اللّٰہ** (تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے)۔ (جمع الفوائد بحوالہ ترمذی)

حدیث نقل کرنے کے بعد یہ تبصرہ بھی لکھا ہے: "حدیث کے کسی مجموعے میں کتاب الذکر کا مطالعہ کیجیے اور پھر یہ دیکھیے کہ شیخ سرہندیؒ نے ذکرِ لسانی کو بدعتِ منکر قرار دے کر کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔"

تشہد میں اشارے کی بحث

تشہد میں اشارے پر بحث کے بعد شیخ سرہندیؒ نے اپنا جو فیصلہ سنایا ہے وہ یہ ہے:

"ہم مقلّدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ احادیث کے مقتضی پر عمل کرکے تشہد میں اشارہ کرنے کی جرات کریں اور اتنے کثیر علمائے مجتہدین کے فتاویٰ کی بناء پر حرام اور ممنوع کام کے مرتکب ہوں"۔

اس عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے تحریر فرمایا "جب شیخ احمد سرہندی جیسے لوگ بھی احادیث کے مقتضی پر عمل نہیں کرسکتے بلکہ ان کے لیے بھی فقہاء کے فتاویٰ پر عمل کرنا ضروری ہے تو پھر وہ کون لوگ ہیں جن کو اتباعِ سنت کی تلقین انہوں نے کی ہے نیز یہ کہ پھر اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید کے معنی کیا ہیں؟ ——— شیخ سرہندیؒ نے تشہد میں اشارہ کو حرام اور مکروہ قرار دینے والے فقہاء کی حمایت میں یہ کہا ہے کہ ان اکابرِ دین کے ساتھ ہمارا حسنِ ظن یہ ہے کہ جب تک ان پر حرمت یا کراہت کی دلیل واضح نہ ہوگئی ہوگی انہوں نے اس کا فتویٰ نہیں دیا ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اشارے کے مسنون و مستحب ہونے کے اقوال نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ صحیح قول یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ کرنا حرام ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم دلیلِ حرمت سے ناواقف ہیں اور اس بات سے اکابر کے احترام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔ شیخ سرہندیؒ کا

یہ استدلال پڑھ کر حیرت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تقلیدِ جامد کے ساتھ اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید بے معنی ہو کر رہ گئی ہے"۔

حضرت عیسیٰؑ [۱۶] مذہبِ حنفی پر عمل کریں گے

مذکورہ بالا عنوان کے ماتحت مولانا نے مکتوب ۱۷ ج ۳ ص ۲۶ کی عبارت (اردو ترجمہ) نقل کی۔ عبارت یہ ہے:

"حضرت خواجہ پارسا جو حضرت خواجہ نقشبندیہ قدس اللہ سرہما کے کامل و مکمل خلفاء میں ہیں اور عالم و محدث ہیں، انہوں نے بھی اپنی کتاب "فصولِ ستہ" میں نقل معتمد درج کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام آسمان سے اترنے کے بعد امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں گے اور انہوں نے جس چیز کو حلال قرار دیا ہے اس کو حلال قرار دیں گے اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اس کو حرام قرار دیں گے"۔

بعد ازاں یہ تبصرہ: مطلب یہ ہوا کہ شریعت خاتم الرسل کی جو تعبیر امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے اور اس سے جو مسائل انہوں نے مستنبط کیے ہیں حضرت عیسیٰؑ اسی پر عمل فرمائیں گے۔ یہ بات جس نقل معتمد کے حوالے سے کہی گئی ہے، مکتوب میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ غالباً اس سے مراد کسی بزرگ کا قول ہے کیونکہ جو بات خواجہ محمد پارسا نے لکھی ہے اور جس کی تائید شیخ سرہندیؒ نے کی ہے وہ نہ قرآن میں مل سکتی ہے اور نہ حدیث میں، اس لیے کہ مذاہب فقہیہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اتباعِ سنت کے مقتداء اور امام سمجھے جانے والے صوفیہ اعتقادیات میں بھی کتاب و سنت کے دلائل سے بے نیاز ہیں"۔

اتباعِ سنت کی تلقین کا مفہوم کیا ہے؟

شیخ سرہندیؒ کے نزدیک اتباعِ سنت کا مفہوم کیا ہے اور کس چیز کی "اتباعِ سنت" کے نام سے انہوں نے تلقین و تاکید کی ہے، اس کی وضاحت خود شیخ سرہندیؒ کی تصریحات کے روشنی میں یہ ہے۔ مولانا عروج قادری مرحوم تحریر کرتے ہیں:

"تصوف کے متعدد خاندانوں اور سلسلوں میں محفلِ سماع کے انعقاد اور اس میں وجد و رقص کا رواج تھا۔ اسی طرح ان کے یہاں بآواز ذکر اور ضرب پر عمل کیا جاتا تھا اور ذکرِ جہر و ضرب کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ دوسری طرف سلسلۂ نقشبندیہ میں سماع اور وجد و رقص بھی ممنوع تھا اور ذکرِ جہر و قلب پر ذکر کے ضرب کا طریقہ بھی نہ تھا۔ اس سلسلے کے اکابر ان سب چیزوں کو سنت کے خلاف سمجھتے تھے۔ جب شیخ سرہندیؒ اس سلسلے میں داخل ہوئے۔ اس کی تعلیمات حاصل کیں

اور اس سلسلے کے سجادہ مشیخت پر جلوہ فرما ہوئے تو اپنی افتادِ طبع کے مطابق اس سلسلے کو دوسرے سلاسلِ تصوف سے برتر ثابت کرنے میں لگ گئے اور مذکورہ بالا چیزوں کے انکار میں شدت اختیار کرکے اپنے مکتوبات میں اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید شروع کی جس کا مفہوم یہ تھا کہ ان کے مریدین و معتقدین مذکورہ بالا چیزوں سے پرہیز کریں۔ ان چیزوں سے اجتناب کرنے ہی کا نام اتباعِ سنت قرار پایا۔ جو لوگ ان چیزوں سے پرہیز کریں وہ متبعِ سنت ہیں اور جو لوگ ان کے مرتکب ہوں وہ متبعِ سنت نہیں ہیں ---- شیخ سرہندیؒ مسائلِ فقہیہ میں مذہبِ حنفی کی پیروی کرتے تھے۔ اس معاملے میں بھی اپنی افتادِ طبع کے مطابق وہ اس کو دوسرے مذاہبِ فقہیہ سے برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے اور جب کچھ لوگوں نے احادیث پر عمل کرنے کی بات کی تو وہ اسے برداشت نہیں کرسکے۔ اس طرح ان کے نزدیک تصوف میں سلسلۂ نقشبندیہ کی پیروی اور مسائلِ فقہ میں مذہبِ حنفی کی پیروی کا نام اتباعِ سنت قرار پایا۔ یہی ہے اتباعِ سنت کی تلقین و تاکید کا وہ مفہوم جو مکتوبات کے مطالعے سے سمجھ میں آتا ہے"۔

عارف دائرہ شریعت سے نکل جاتا ہے

مکتوب ۱۷۲ ص ۱۷۵ ج ۱ میں کہا گیا ہے کہ سالک یا عارف کے لیے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں پہنچ کر وہ دائرہ شریعت سے خارج ہو جاتا ہے اور احکامِ شریعت کا مکلف نہیں رہتا۔ ایک طویل مکتوب کی درج ذیل سطور (اردو ترجمہ) میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے:

"یہ شان دروازہ مقصود اور مقدمہ مطلوب ہے۔ اس جگہ عارف اپنے آپ کو دائرہ شریعت سے باہر پاتا ہے لیکن چونکہ محفوظ ہے اس لیے دقائقِ شریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا۔ اس دولتِ عظمیٰ تک جو جماعت مشرف ہوئی وہ اقل قلیل ہے"۔

شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد اور ان کے محترم چچا کو بھی یہ الہام ہوا تھا کہ ان کو شرعی احکام کی تکلیف سے بری کردیا گیا ہے اور اسی قسم کی روایت دوسرے بہت سے اولیاء اور کاملین سے ہے (امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، ۶۵) مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے دلائل سے اس کی تردید کی ہے۔

تبصرہ: "یہ حقیر (مولانا عروج قادری مرحوم) صرف اتنا عرض کرے گا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تادمِ مرگ مکلف قرار دے کر بندگیٔ رب کا حکم دیا گیا تھا "وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر) اور اپنے رب کی بندگی کرتے رہو یہاں تک کہ موت آجائے۔

فلسفیانہ تصوف مراتبِ وجوب میں ممکن الوجود انسان کی سیر بھی تجویز کرتا ہے اور ایک ایسا

مقام بھی، جہاں عارف دائرہ شریعت سے باہر آجاتا ہے اور اللہ کی عبادت یا تبرعاً" کرتا ہے یا اضطراراً"۔ یہ اسلامی تصوف ہرگز نہیں بلکہ غیر اسلامی تصوف کا خیالِ باطل ہے"۔

مولانا کے پیش نظر چونکہ ہر سہ تصانیف پر کوئی تفصیلی تبصرہ نہ تھا اس لیے مکتوبات کے نظریہ قبولیت اور دوسرے تخیلات سے تعرض نہیں کیا گیا ---- اور "آخری بات" بھی : "حضرت شیخ سرہندیؒ رحمتہ اللہ علیہ کے مکتوبات میں تصوف کی دوسری کتابوں کی طرح بہت سی باتیں کتاب و سنت کے مطابق اور بڑی موثر بھی ہیں۔ ہم اس کے لیے ان کے شکر گزار ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیراً"۔

شیخ احمد سرہندیؒ اور مولانا مودودیؒ

"مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے "تجدید و احیائے دین" اور اپنی بعض دوسری تحریروں میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو مکتوباتِ امام ربانیؒ کے بالاستیعاب مطالعہ کا موقع نہیں ملا۔ ان کے تصوف کے بارے میں انہوں نے صرف عقیدت مندوں کے بیانات کو سامنے رکھ کر ایک رائے قائم کرلی تھی۔ یہ حقیر شیخ المشائخ حضرت سرہندیؒ کے تصوف کے بارے میں جو کچھ پیش کرچکا ہے وہ اس کا ثبوت ہے"۔

مولانا مودودیؒ نے فلسفہ وحدت الوجود کی تردید کے سلسلے میں شیخ سرہندیؒ کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے لکھا تھا "شیخ سرہندیؒ (ابن تیمیہؒ کے بر خلاف) اس کوچے ہی کے آدمی تھے اور معمولی آدمی نہیں بلکہ شہسوار تھے۔ انہوں نے خود تصوف کے ہتھیاروں سے اس عقیدے کی خبر لی اور ایسی خبر لی کہ تسمہ تک لگا نہ چھوڑا"۔

مولانا عروج قادری مرحوم : مولانا مودودیؒ کا یہ لکھنا کہ "شیخ سرہندیؒ نے اس عقیدے کی خبر لی اور ایسی خبر لی کہ تسمہ تک لگا نہ چھوڑا" صحیح نہیں ہے اور حقیقتِ واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ مولانا نے وضاحت کی کہ اس مسئلے میں خود شیخ سرہندیؒ کے کلام میں تضاد ہے۔ وحدۃ الوجود کو شیخ سرہندیؒ بھی تصوف کا ایک اونچا مقام تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کی تردید کا فائدہ کیا ہے، بلکہ اس غلط نظریہ کو اس سے سند مل جاتی ہے"۔

تجدید و احیائے دین میں مولانا مودودیؒ نے شیخ احمد سرہندیؒ کے عنوان سے جو کچھ لکھا تھا اس کے بارے میں مولانا عروج قادری مرحوم نے تحریر کیا کہ اس کا تحقیق سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا مودودیؒ نے تحریر کیا تھا:

"ایک یہ کہ تصوف کے چشمہ صافی کو ان آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے

اس میں سرایت کر گئی تھیں' پاک کر کے (شیخ سرہندیؒ نے) اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا"۔

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے لکھا "یہ عبارت پڑھ کر یہ باور کرنا مشکل ہے کہ انہوں نے کبھی خود مکتوباتِ امام ربانی کا مطالعہ کیا تھا یا نہیں ؟ جن مکتوبات کا بہت بڑا حصہ فلسفیانہ تصوف ہی کے لیے وقف ہو اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ شیخ سرہندیؒ نے تصوف کو فلسفیانہ آلائشوں سے پاک کیا' حیرت انگیز ہے۔ بات یہی ہے کہ انہوں نے غالی عقیدت مندوں کے بیانات پر اعتماد کرلیا تھا"۔

مذکورہ بالا صفحات میں جو کچھ قلمبند ہوا اس سے اس مقصد کی قرار واقعی تکمیل ہوئی جو "تصوف کی تین اہم کتابیں" کی تالیف سے مصنف کے پیشِ نظر تھا یعنی تصوف کی کتابوں میں جو باتیں کتاب و سنت یا عقل و نقل کے مطابق ہوں وہ بھی نمایاں کی جائیں اور جو باتیں عقل و نقل کے خلاف ہوں وہ بھی واضح کی جائیں۔ تصوف کی تین اہم کتابوں سے متعلق ایجاز و اختصار کے ساتھ مولانا عروج قادری مرحوم نے یہ کام انجام دیدیا ہے۔ یہ کام نفسیاتی طور پر کسی ایسے شخص کے لیے جو خود خانوادۂ رشد و طریقت سے تعلق رکھتا ہو' مشکل تھا۔ یہ کام کتاب و سنت پر وسیع و عمیق نگاہ' قابلِ اعتماد اور لائق استناد' علمی بلندیٔ قامت کا متقاضی تھا اور سب سے زیادہ ایمانی صلابت اور اشخاص و افراد کے منصب و مقام اور غوغائے عام سے بے پروا' حق گوئی کی جسارت کا بھی ---- کیونکہ اقبال سے لے کر (جو بزرگانِ دین سے عقیدت میں نیاز مندان حجرہ و خانقاہ سے پیچھے نہ تھے) مولانا مودودیؒ (جو تصوف کے بارے میں بہرحال ایک متوازن نقطۂ نظر رکھتے تھے) تک جس نے اس خطرناک وادی میں قدم رکھا' اہلِ تصوف کی جانب سے نشانہ ملامت بننے سے نہ بچ سکا۔ اس کتاب کی قدر و قیمت یہ ہے کہ انہی خطوط پر ان کتابوں کا اور دوسری کتبِ تصوف کا تفصیلی جائزہ لیا جاسکتا ہے تاکہ اہلِ تصوف کے مثبت کارناموں اور تاریخ کے مختلف ادوار میں غیر اسلامی تصورات کے نفوذ کے سبب منفی عناصر کی شمولیت کا متوازن شعور پیدا ہوسکے۔ اس طرح بزرگانِ دین اور اہلِ تصوف سے صحت مند عقیدت کی راہ ہموار ہوگی۔

میں نے مولانا عروج قادری مرحوم کے کردار کے دو امتیازی پہلوؤں انکسار اور فروتنی اور بے لاگ حق گوئی کے سلسلے میں اپنے تاثرات کے اظہار کے لیے اوّل الذکر سے متعلق ذاتی تجربات کا حوالہ دیا تھا۔ آخر الذکر سے متعلق تحریری شہادت کے طور پر ان کی ایک معرکہ آرا مختصر تصنیف سے تعرض کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے تبصرے ان کی افتادِ طبع اور امتیازی کردار کی قرار واقعی شہادت فراہم کرتے ہیں۔

مولانا مرحوم اپنے قلم اور اپنے عمل سے اپنے حصے کی خدمت حسبِ توفیقِ الٰہی انجام دے

بقیہ بر صفحہ ۲۷